شہدائے بالاکوٹ

شہدائے بالاکوٹ :

1/3

6 مئی 1831ء کو ہزارہ ڈویژن (KPK) کے پہاڑی مقام بالاکوٹ میں ایک قافلہ حریتِ اسلام کی سربلندی اور آزادیِ ہند کی خاطر قربان ہو گیا تھا، انہیں تاریخ میں شہدائے بالاکوٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں کے لوگ تھے، جنہیں اسلامی ریاست کے احیاء اور انگریزوں سے ہند کی آزادی کے جذبہ نے اکٹھا کیا تھا اور ان کے سرخیل سید احمد شہیدؒ تھے۔ ہم جب برصغیر کی تحریکِ آزادی کے عنوان سے بات کرتے ہیں تو اس سے مراد برصغیر پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور برما وغیرہ پر برطانوی استعمار کے تسلط کے بعد ہند کی آزادی اور اسلام کے احیاء کے لیے بپا کی جانے والی تحریکات ہوتی ہیں۔ شہدائے بالاکوٹ کی جدوجہد بھی اسی کا ایک باب ہے۔

برصغیر میں یورپ کے مختلف ممالک کی تجارتی کمپنیاں تجارت کے غرض سے آئیں۔ پرتگال، ہالینڈ، فرانس، اسپین اور برطانیہ کی تجارتی کمپنیوں نے اس علاقے کو اپنی آماجگاہ بنایا۔ یہ یورپ میں صنعتی اور سائنسی ترقی کے آغاز کا دور تھا اور صنعت و سائنس میں مغرب کی بالادستی قائم ہو رہی تھی۔ برصغیر کے مغل حکمرانوں نے ان تجارتی کمپنیوں کو نہ صرف تجارت کی آزادی دی، بلکہ بہت سی مراعات سے بھی نوازا جس سے یہ کمپنیاں مستحکم ہوتی چلی گئیں۔ حتٰی کہ ان کمپنیوں نے اپنے مراکز اور سامان کی حفاظت کے نام سے پرائیویٹ فوجی دستے رکھنے کی سہولت بھی حاصل کر لی، جو بڑھتے بڑھتے باقاعدہ فوجوں کی شکل اختیار کرتی گئیں۔

اُس دوران سلطان اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل بادشاہت زوال کا شکار ہوئی اور باہمی خانہ جنگیوں نے زور پکڑا تو ان غیر ملکی تجارتی کمپنیوں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے معاملات میں مداخلت شروع کردی اور آہستہ آہستہ اپنا راستہ بناتی چلی گئیں۔ ایک وقت آیا کہ ان تجارتی کمپنیوں نے برصغیر کے علاقائی حکمرانوں کو آنکھیں دکھانا شروع کیں اور فوجی قوت کے بل پر اقتدار کی طرف بڑھنے لگیں۔ چنانچہ برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا باقاعدہ معرکہ 1757ء میں بنگال کے نواب سراج الدولہ شہیدؒ سے ہوا، جس میں نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد بنگال پر ایسٹ انڈیا نے قبضہ کر لیا اور وہاں اس کی باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی۔ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ دوسرا بڑا معرکہ ٹیپو سلطان شہیدؒ کا تھا، جو اٹھارہویں صدی کے اختتام (1799ء) پر پیش آیا۔ اس میں سلطان ٹیپو شہید ہوگئے اور ان کی سلطنتِ میسُور پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے مزید پیشرفت اس اعلان کے ساتھ کی کہ ”آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔“ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجیں آگے بڑھتی گئیں اور بالآخر دہلی کے مغل بادشاہ 'شاہ عالم ثانی' کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ یہ معاہدہ کرنا پڑا کہ مغل بادشاہت برائے نام قائم رہے گی، مگر اس کے نام پر ملک میں حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کرے گی۔ اس معاہدے کا اعلان ”زمین خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا“ کے نعرہ کے ساتھ ہوا۔ اُس وقت دہلی میں علمی دنیا کی حکمرانی حضرت امام ولی اللّٰہ دہلویؒ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے ہاتھ میں تھی اور وہ علمائے حق

کے قافلہ کے سربراہ تھے۔ انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی باقاعدہ حکمرانی کے اعلان کے بعد فتوٰی جاری کیا کہ اب ہندوستان دارالسلام نہیں رہا بلکہ دارالحرب ہوگیا ہے اور انگریزی اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جہاد فرض ہوگیا ہے۔

اس فتوٰی کی بنیاد پر جو پہلی مسلح مزاحمت ہوئی اور جہاد کے عنوان سے جنگ ہوئی وہ شہدائے بالاکوٹ کے وہ معرکے ہیں، جو پشاور اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں 1828ء سے 1831ء تک جاری رہے۔ جنگ کے لیے اس علاقے کو چُننے کی غرض یہ تھی کہ اس خطہ کے غَیُّور مسلمان زیادہ جوش و جذبہ کے ساتھ اس جنگ میں حصہ لیں گے اور یہ علاقہ ایک کنارے اور سرحد پر واقع ہے جہاں افغانستان اور دوسرے مسلمان ملکوں سے امداد و حمایت حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں۔ اس لیے جنگِ آزادی کے بیس کیمپ کے طور پر یہ علاقہ
سب سے زیادہ موزوں سمجھا گیا تھا۔

شہدائے بالاکوٹ :
2/3

انگریز ایک طرف بنگال اور میسور پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے بعد دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے اور دوسری طرف سکھوں نے پشاور تک پنجاب پر قبضہ کرکے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ بہت سے علاقوں میں اذان اور کھلے بندوں نماز ممنوع قرار پائی تھی اور لاہور کی تاریخی بادشاہی مسجد راجہ رنجیت سنگھ کی شاہی فوجوں کا اصطبل خانہ بن چکی تھی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنے ہونہار شاگرد سید احمد شہیدؒ کے قلبی جذبات اور ذہنی رحجانات کو دیکھ کر اس کے اندر چھپے ہوئے جوہرِ قابل کا اندازہ لگا لیا اور ضروری تعلیم کے بعد سید احمد شہیدؒ کو ریاست ٹونک کی فوج میں بھیج دیا۔ اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ فوجی تربیت حاصل کر کے جہاد کی تیاری کریں اور دوسرا مقصد ریاست ٹونک کے نواب کو سپورٹ کرنا بھی تھا جو انگریزی فوجوں کی یلغار کے سامنے اس وقت تک ڈٹے ہوئے تھے اور ملک کے مختلف حصوں سے جذبہ جہاد سے سرشار مسلم نوجوان آکر ان کی فوج میں بھرتی ہو رہے تھے۔

سید احمد شہیدؒ بھی اسی جذبہ سے گئے اور کئی برس تک فوجی خدمات سرانجام دیں، لیکن جب ٹونک کے نواب بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے سامنے سپر انداز ہوگئے تو سید احمد شہیدؒ ان کی فوج کو خیرباد کہہ کر دہلی واپس آگئے جہاں ان کی رفاقت کے لیے خاندان ولی اللہی کے عظیم چشم و چراغ شاہ اسماعیل شہیدؒ پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ امام الہند حضرت شاہ ولی اللّٰہ دہلویؒ کے پوتے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے اور حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے فرزند تھے، اپنے وقت کے جید عالمِ دین، فلسفی اور متکلم تھے۔ ان کے قلب و ذہن میں بھی جذبۂ جہاد کا غلبہ تھا، اس لیے انہوں نے دہلی کی عیش و آرام اور صاحبزادگی کی مخدومانہ زندگی کو خیرباد کہہ کر سید احمد شہیدؒ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی دہلی کے برائے نام مغل حکمران شاہ عالم ثانی کے ساتھ معاہدہ کر کے دہلی کے اقتدار کو اپنے کنٹرول میں لینے کا اعلان کر چکی تھی اور باضابطہ اعلان ان الفاظ کے ساتھ صادر ہوا تھا کہ :

‘‘زمین خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔’’

یعنی ملک کی بادشاہت پر تو مغل حکمران کا نام چلتا رہے گا، مگر اس کی آڑ میں حکومت اور قانون کی قوت ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس ہوگی۔ اس اعلان کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا وہ تاریخی فتویٰ سامنے آچکا تھا کہ اب ہندوستان دار الحرب ہو چکا ہے اور اس کی آزادی کے لیے ہندوستان کے مسلمانوں پر انگریز کے خلاف جہاد شرعاً واجب ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد ان کی مسند پر ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ جلوہ افروز تھے۔ ان کی راہ نمائی میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جہاد کے عمل کو زندہ کرنے کی پلاننگ کی اور یہ طے پایا کہ تربیت و اصلاح کے عنوان پر دیندار نوجوانوں کو جمع کیا جائے، عقائد و اعمال کی اصلاح کر کے انہیں جہاد کے قابل بنایا جائے، اس کے بعد کوئی ایسا علاقہ منتخب کیا جائے جہاں آسانی سے قبضہ ممکن ہو اور پڑوس میں کوئی مسلم ریاست ہو تاکہ اسے جہاد آزادی کے لیے ”بیس کیمپ“ بنایا جا سکے۔

پشاور پر اس وقت لاہور کی سکھ حکومت کی عملداری تھی اور پشاور کو حاصل کرنے کے لیے انہی سے جنگ لڑنا تھی۔ اس لیے کے ایک طویل مرحلہ وار سفر اور جدوجہد کے بعد مجاہدین کے قافلے نے اس خطے میں متعدد جنگیں لڑیں اور 1830ء میں پشاور کے صوبے پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ قافلہ کے سربراہ سید احمد شہیدؒ تھے، جو رائے بریلی کے ایک روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور ان کے دست راست حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ تھے جو حضرت شاہ ولی اللّٰہ کے پوتے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے اصلاحِ عقائد و رسوم کے حوالہ سے اپنے عقیدت مندوں کو منظم کیا، مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ان کی عملی ٹریننگ کا اہتمام کیا اور ایک طویل سفر کے بعد پشاور تک پہنچے اور مسلسل معرکہ آرائی کے ساتھ پشاور کے صوبے کا کنٹرول حاصل کر لیا۔

شہدائے بالاکوٹ :

3/3

ایک انگریز مورخ 'ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر' نے اپنی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ میں لکھا ہے کہ ہم (انگریزوں) نے اُن مجاہدین کو ” وہابی“ کہہ کر بدنام کرنے کی سازش کی اور مقامی آبادی کو ان سے مُتَنَفِر (نفرت کرنے والا) کیا۔ چنانچہ انگریزوں کی حکمت عملی کامیاب رہی اور وہ صرف چھ ماہ کے عرصہ میں پشاور کے علاقہ میں مجاہدینِ اسلامی حکومت کے خلاف سادہ لوح عام مسلمانوں میں بغاوت کے جراثیم پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس پر مجاہدین نے پشاور کے متبادل کے طور پر مظفر آباد کا انتخاب کیا اور وہاں کے علماء کرام اور دیندار مسلمانوں سے رابطہ کر کے مظفر آباد میں منتقل ہونے کا پروگرام بنا لیا تاکہ خطۂ کشمیر کے اس حصہ کو احیاء اسلام اور تحریکِ آزادی کے بیس کیمپ کی حیثیت دی جائے اور وہاں آزادی اسلامی ریاست قائم کر دی جائے۔

امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی حکومت قائم ہوئی، جس میں ان کے دست راست شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبد الحئیؒ تھے۔ لیکن یہ حکومت چھ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور علاقائی سرداروں میں بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ پشاور کا انتخاب تو جنگ آزادی کے لیے بیس کیمپ قائم کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا، اس لیے

علاقائی سرداروں کی بغاوت کے بعد بیس کیمپ کے لیے نئی جگہ کا چناؤ کرنے کا فیصلہ ہوا اور اس مقصد کے لیے مظفر آباد کا انتخاب کیا گیا جو کہ اب آزاد جموں و کشمیر کا دارالحکومت ہے۔ پشاور سے یہ قافلہ مظفر آباد جانے کے لیے روانہ ہوا جس کے لیے محفوظ راستہ وہی تھا جس کا انہوں نے انتخاب کیا تھا اور اسی راستے میں بالاکوٹ آتا ہے۔ اس دوران سکھ فوجوں کے ساتھ جگہ جگہ جھڑپیں بھی ہوتی رہیں، لیکن بالاکوٹ کے علاقہ سے ان کی مخبری ہوئی تو سکھ فوجوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور ایک صبر آزما جنگ کے بعد 6 مئی 1831ء میں اس قافلہ نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا۔

یہ برطانوی استعمار کے تسلط سے برصغیر کی آزادی کا تیسرا بڑا مسلح معرکہ تھا۔ اس سے قبل 1757ء میں بنگال کے نواب سراج الدولہ شہیدؒ نے انگریزی اقتدار کے خلاف اپنی آزادی اور خود مختاری کی جنگ لڑی تھی، مگر اپنے ہی وزیر اعظم میر جعفر کی غداری کی وجہ سے شکست کھا کر جام شہادت نوش کر گئے۔ اس کے بعد اٹھارویں صدی کے اختتام پر سلطنتِ خداداد میسُور کے شیر دل حکمران سلطان ٹیپو شہیدؒ نے فرنگی اقتدار کا سایہ برداشت نہ کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ پھر یہ تیسرا مرحلہ تھا جس میں مجاہدین کا براہ راست اور ظاہری مقابلہ اگرچہ سکھوں سے تھا، لیکن سکھوں کی پشت پر انگریزوں کی پوری طاقت تھی اور اسی فرنگی طاقت کے تسلط کو ختم کرنے اور اسلام کا احیاء کرنے کے لیے یہ جہاد کیا گیا تھا۔